پہلی خصوصیت :

اس تفسیر کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اساسی اصول کو عملاً برت کے دکھایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کے بنیادی مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

و لقد صرفنا فی ہذا القرآن لیذکروا (بنی اسرائیل :۴۱)	اور ہم نے اس قرآن میں گونا گوں اسلوبوں سے بات واضح کر دی ہے کہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔
انظر کیف نصرف الآیات لعلھم یفقھون (سورہ انعام : ۱۰۵)	دیکھو کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

چنانچہ ایک مضمون ایک جگہ ایک اسلوب میں بیان کیا گیا ہے تو وہی مضمون ایک دوسری جگہ ایک دوسرے اسلوب میں آیا ہے۔ اور تیسری جگہ تیسرے اسلوب میں۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں ان مختلف اسالیب سے بحث کرتے ہوئے قرآن کے دعوائے تصریف آیات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً توحید کے دلائل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر مختلف اسالیب میں آئے ہیں۔ کہیں اضداد کے درمیان توافق کو توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تو کہیں توحید کی آفاقی دلیل بیان ہوئی ہے اور کہیں اس کے انفسی دلیل کا ذکر ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم فلا	جس نے تمہارے لئے زمین بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور اتارا آسمان سے پانی اور اس سے پیدا کئے پھل تمہاری

تجعلوا لله اندادا و انتم تعلمون (البقرہ : ۲۲) — روزی کے لئے تو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ دراں حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں اضداد کے درمیان توافق کو توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر میں دلیل کے اس پہلو کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''توحید کی یہ دلیل اس توافق اور ہم آہنگی کے پہلو سے ہے جو اس کائنات کے تمام اضداد کے اندر پائی جاتی ہے، اس کائنات میں ایک طرف تو زمین کے مقابل میں آسمان، شب کے مقابل میں روز، نور کے مقابل میں ظلمت، سردی کے مقابل میں گرمی اور عورت کے مقابل میں مرد کا وجود پایا جاتا ہے۔ جس سے بظاہر گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ کائنات اضداد اور باہم نبرد آزما قوتوں اور طاقتوں کی ایک رزم گاہ ہے۔ چنانچہ یہی دھوکا بعض قوموں کو ہوا جس کے سبب سے انھوں نے نور اور ظلمت، نیکی اور بدی کے الگ الگ خالق ٹھہرائے۔ اسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اہل عرب بھی زمین کے لئے الگ اور آسمان کے لئے الگ دیوتا مانتے تھے۔ قرآن مجید نے اسی مغالطہ کو یہاں رفع کیا ہے کہ اس کائنات میں جو تضاد نظر آتا ہے وہ محض ظاہری ہے۔ غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس کے تمام اضداد میں نہایت گہرے قسم کا توافق ہے۔ زمین تمہارے لئے بستر کی طرح بچھی ہوئی ہے اور آسمان تمہارے اوپر شامیانے کی طرح تنا ہوا ہے۔ پھر دیکھو آسمان سے پانی برستا ہے اور اس پانی سے زمین میں طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور یہ پھل تمہارے لئے غذا کا کام دیتے ہیں۔ زمین اور آسمان کے درمیان اس طرح کے توافق کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح باور کرتے ہو کہ زمین کے اندر کسی اور دیوتا کا ارادہ کار فرما ہے اور آسمان میں کسی اور کی خدائی چل رہی ہے'' (۱)

اسی طرح ایک آیت ہے

ومامن دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا أمم أمثالکم مافرطنا فی الکتاب من شیئی ثم الی ربهم یحشرون۔ (الانعام: ۳۸)	اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو اور کوئی پرندہ نہیں جو فضا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو مگر یہ سب تمہاری ہی طرح امتیں ہیں اور ہم نے اپنی کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے پروردگار کے حضور اکٹھے کیے جائیں گے۔

اس آیت میں توحید کے آفاقی دلائل کا ذکر ہوا ہے۔ دلیل توحید کے اس پہلو کی وضاحت مولانا اصلاحیؒ نے یوں فرمائی ہے۔

"الامم کے الفاظ تو بظاہر نہایت مجمل ہیں لیکن غور کیجیے تو ان میں بڑی تفصیل پوشیدہ ہے۔ نشانیاں مانگنے والوں کو یہ آفاق کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم کوئی ایک نشانی مانگتے ہو۔ خدا کی تو یہ پوری کائنات نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ خدا کی ایک نشانی ہے۔ غور کرو تو تم دیکھ سکتے ہو کہ جس طرح تمہارے انفرادی اور اجتماعی وجود کے اندر خدا کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی بے شمار نشانیاں ہیں جو تم پر توحید، جزاوسزا اور پیغمبر کی دعوت کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی طرح اس کائنات کی دوسری مخلوقات کے اندر بھی خالق کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کے دلائل موجود ہیں جس طرح تم ایک نوع ہو اسی طرح یہ بھی الگ الگ نوعیں ہیں۔ جس طرح تم ایک فطرت رکھتے ہو اسی طرح یہ بھی اپنی ایک مخصوص جبلت رکھتے ہیں۔ جس طرح تم شعور وادراک اور جذبات رکھتے ہو اسی طرح اپنے جبلی تقاضوں اور اپنے منشائے تخلیق کے اعتبار سے یہ بھی اپنے اندر شعور، ادراک اور جذبات رکھتے ہیں۔ جس طرح تمہارے اجتماعی شعور نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ تم اپنے آپ کو ایک سیاسی نظام

کے اندر باندھ کر رکھو اسی طرح ان کی ہر نوع کے اندر بھی اپنی اجتماعی ہستی کا ایک شعور ہے جو انہیں آمادہ کرتا ہے کہ یہ ایک وحدت کے اجزاء کی طرح اپنے اجتماعی وجود کے بقاء و تحفظ کا سامان کریں اور اپنے نوعی مقصد تخلیق کی تکمیل میں ان کا ہر فرد اپنا حصہ ادا کرے۔"(۲)

اور اسی طرح توحید کے انفسی دلیل آگے اسی سورہ میں بیان ہوئی ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں۔

قل أرأيتكم ان اتاكم عذاب الله او آتتكم الساعة اغير الله تدعون ان كنتم صادقين بل اياه تدعون فيكشف ماتدعون اليه ان شاء وتنسون ماتشركون ۔
(الانعام: ۴۰۔۴۱)

کہدو، بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آدھمکے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو؟ بلکہ اسی کو پکارو گے تو وہ دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کیلئے تم اس کو پکارتے ہو، اگر چاہتا ہے، اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کو بھول جاتے ہو۔

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:

"اوپر والی آیات میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا توحید کے آفاقی دلائل کی طرف اشارہ ہوا ہے، یہاں توحید کی اس انفسی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں مختلف اسلوبوں سے بیان ہوئی ہے اس دلیل کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں چونکہ ایک ہی خدا کی شہادت موجود ہے۔ دوسرے اصنام و آلہہ جن کو وہ مانتا ہے ان کی کوئی شہادت اس کی فطرت کے باطن میں موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ محض خیالی ہوتے ہیں اس وجہ سے جب اس کی زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ آتا ہے جو اصل آزمائش کا ہوتا ہے تو انسان اپنے ان تمام فرضی سہاروں کو بھول جاتا ہے صرف اسی خدا کو پکارتا ہے۔ جس کی شہادت وہ اپنی فطرت میں پاتا ہے۔"(۳)

علی ہذاالقیاس قرآن مجید میں توحید کے جو مختلف دلائل مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اگر ان سب کو سامنے رکھا جائے تو تصور توحید کی پوری تصویر سامنے آجائے گی۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک مضمون ایک جگہ اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل آگئی ہے۔ کسی واقعہ کا ایک پہلو ایک جگہ ظاہر کیا گیا ہے تو دوسرے پہلو دوسرے مناسب مقامات پر لائے گئے ہیں۔ قرآن خود کہتا ہے۔

کتٰب فصلت آیاته قرآنا عربیا لقوم یعلمون ۔(فصلت : ۳)

ایک ایسی کتاب جس کی آیتیں تفصیل کیساتھ بیان کی گئی ہیں عربی قرآن کی صورت میں اس قوم کیلئے جو جاننا چاہیں

مثال کے طور پر یہ آیت

فاذا مس الانسان ضردعانا ثم اذا خولناه نعمة منا قال انما اوتیه علی علم بل هی فتنة ولکن اکثرهم لایعلمون ۔(الزمر :۴۹)

پس جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس پر اپنی طرف سے فضل کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میری تدبیر کی بدولت حاصل ہوا۔ بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے

اس آیت میں انسان کی جس کمزوری کا ذکر بالاجمال ہوا ہے سورہ قصص کی آیات ۷۶ تا ۷۸ میں اس کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں۔

ان قارون من قوم موسی فبغی علیهم وآتیناه من الکنوز ما ان مفاتحه لتنوء بالعصبة اولی القوة اِذ قال له قومه لا تفرح ان اللّٰه لایحب الفرحین وابتغ فیما اتاك

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا تو اس نے ان کے مقابل میں سرکشی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور پارٹی سے اٹھتی تھیں۔ اس وقت کو یاد کرو جب اس کی

الله الدار الآخرة ولاتنس نصيبك من الدنيا واحسن كما احسن الله اليك ولاتبغ الفساد فى الارض ان الله لا يحب المفسدين ۔قال انما اوتيته على علم عندى اولم يعلم ان الله قد اهلك من قبله من القرون ۔من هو اشد فيه قوة واكثر جمعا۔(قصص :۷۶۔۷۸)

قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس میں سے دار آخرت کا طالب بن اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور اللہ نے جس طرح تم پر احسان کیا ہے تم لوگوں پر احسان کرو، اور زمین میں فساد کے طالب نہ بنو، اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ دولت تو مجھے میری علم کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ کیا اسکو نہیں معلوم کہ اس سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر چھوڑیں جو قوت میں اس سے بڑھ چڑھ کر اور جمعیت میں اس سے زیادہ تھیں۔

اوپر سورہ زمر کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی جو تفصیل سورہ قصص کی مندرجہ بالا آیتوں میں بیان ہوئی ہے مولانا امین احسن اصلاحی نے سورہ زمر کی اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں ان آیات کا حوالہ دیکر اس مجمل آیت کی تفصیل معلوم کر لینے کی طرف رہنمائی فراہم کر دی ہے۔(۴)

اسی طرح ایک مضمون کا کچھ حصہ ایک مقام پر آیا ہے تو دوسرا حصہ دوسرے مقام پر، اس طرح قرآن مجید کے کسی موضوع یا حکم کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے کہ اس موضوع یا حکم سے متعلق جہاں جہاں گفتگو کی گئی ہو سب کو سامنے رکھا جائے۔ اسی صورت میں واقعہ کی صحیح صورت حال سامنے آسکتی ہے۔ تفسیر تدبر قرآن میں ان تمام پہلوؤں کو پوری شرح وبسط کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس طرح کے

موضوعات اور احکام کو سمجھنے میں تدبر قرآن سے بڑی مدد ملتی ہے۔

دوسری خصوصیت :

تفسیر تدبر قرآن کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ فہم قرآن کے جو وسائل وذرائع ہیں انہیں دو حصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک داخلی وسائل اور دوسرے خارجی وسائل، حتی الوسع ان دونوں ہی وسائل وذرائع سے تدبر قرآن میں استفادہ کی کوشش کی گئی ہے لیکن داخلی وسائل کو خارجی وسائل پر فوقیت دی گئی ہے اور خارجی وسائل کو داخلی وسائل کے تابع رکھا گیا ہے۔

داخلی وسائل میں قرآن کی زبان، نظم کلام، قرآن کے اسلوب بیان اور اس کے نظائر و شواہد کو رکھا گیا ہے۔ اور خارجی وسائل میں صحیح احادیث، سابق آسمانی صحیفے اور تاریخ شامل ہیں۔

داخلی وسائل :

۱۔ **قرآن کی زبان** : قرآن کی زبان عربی ہے اور عربی میں بھی قریش کی ٹکسالی عربی، اس کی فصاحت وبلاغت ایک معجزہ ہے۔ لہذا قرآن کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے اس کی زبان کا ذوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے لئے اس زبان کے اداشناسوں یعنی اس کے شعراء وادباء کے سرمایہ شعر وادب کا تتبع کرنے اور اس کلام کے محاسن ومعائب پر محققانہ نظر کی ضرورت ہے۔ تب کہیں وہ دیدہ وری حاصل ہوگی جو تفکر وتدبر قرآن کے لئے مطلوب ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن میں یہ پہلو بڑا نمایاں ہے چنانچہ ایسے تمام قرآنی الفاظ جن کے سلسلے میں تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہو، تفسیر تدبر قرآن میں ان کے مفہوم کی تعیین میں معتبر اور مستند کلام عرب سے استشہاد نظر آئے گا۔ مثلاً سورہ الاعلی کی ایک آیت ہے فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی۔ (الاعلی : ۵) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں :

"اس ٹکڑے میں ایک ادبی اشکال ہے اس کو پہلے سمجھ لیجئے تب اس کا صحیح

موقع و محل واضح ہو گا۔ "غثاء احوی "کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے "کالا کوڑا یا سیاہ خس وخاشاک "کیا ہے لیکن عربی میں لفظ "غثاء" تو بیشک جھاگ اور خس وخاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن "احوی" ہر گز اس سیاہی کے لئے نہیں آتا جو کسی شئی میں اس کی کہنگی ، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لئے آتا ہے جو کسی شئی پر اس کی تازگی ، شادابی ، زرخیزی ، اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔ یہ نباتات اور باغوں کی صفت کے طور پر بکثرت استعمال ہے اور بلا استثناء ہر جگہ اس کی سرسبزی کی شدت اور گھنے پن کو ظاہر کرنے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پھر یہیں سے بطور استعارہ یہ کٹریل، صحتمند ، گل ترکی صورت کھلے ہوئے جوان کے لئے بھی استعمال ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کی صحت بہت اچھی اور ان کے بدن میں خون وافر ہو ان کے ہونٹوں پر سیاسی مائل سرخی نمایاں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جاہلی شاعر تابط شرا اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے۔ ع

✓ مسبل فی الحی احوی رفل واذا یغزو فلیث ابل

(یوں قبیلہ کے اندر تو وہ ایک خوش پوش ، سرخ و سپید ، بانکا چھیلا بنا رہتا ہے لیکن جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیستاں بن جاتا ہے۔)

لفظ "غثاء "اگر چہ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس وخاشاک کے لئے بھی آتا ہے لیکن اس سبزہ کے لئے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ استاذ امام مولانا فراہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں اس کی تائید میں شعرائے جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔ ہم بقید اختصار صرف قطامی کا ایک شعر جو اس نے ایک وادی کی تعریف میں کہا ہے پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ ع

حلوا بأخضر قد مالت سرارته   من ذی غثاء علی الاعراض انضاد

وہ ایک سر سبز و شاداب وادی میں اترے جس کے بیچ گھنے اور شاداب سبزے اس کے کناروں پر باہم دگر گتھم گتھا اور ایک دوسرے پر تہ بہ تہ گرے ہوئے تھے۔)

آیت زیر بحث میں چونکہ "غثاء" کی صفت "احوی" آئی ہے اس وجہ سے لازماً یہ اس دوسرے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے ورنہ صفت اور موصوف میں نہایت بھونڈی قسم کی بے ربطی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ "احوی" جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس سیاہی کے لئے ہرگز نہیں آتا جو کسی چیز میں اس کی کہنگی، فرسودگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔"(۵)

اس پہلو سے اگر صاحب تدبر قرآن کے فکر و نظر اور تدبر قرآن کی صورت میں ان کی بحث و تحقیق کا جائزہ لیا جائے تو تدبر قرآن کے امتیاز کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔

۲۔ **نظم کلام** : نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزو لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ اور بامقصد کلام کا تصور ہی عبث ہے۔ چنانچہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کا اصلی راز یہی نظم ہے۔ ایسا نظم جو ایک سو چودہ چھوٹی بڑی سورتوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب میں ازاول تا آخر یکساں طور سے نظر آتا ہے۔ اس کی کوئی فصل و صل سے خالی نہیں دکھائی پڑتی۔ نظم کے رہنما اصول کی روشنی میں تفسیر قرآن کی یہ سب سے کامیاب کوشش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن کا یہ پہلو تو ایسا ہے کہ کسی بھی زبان کی کوئی تفسیر اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی۔ تصور نظم قرآن کو اس تفسیر میں اس کامیابی سے برتا گیا ہے کہ ہر صاحب نظر اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

اس ضمن میں کوئی مثال پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لئے کہ اس تفسیر کی بنیاد ہی نظم کلام پر ہے چنانچہ پوری تفسیر میں یہ ازاول تا آخر ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اس میں قاری کو آیت سے آیت کا نظم، اجزاء سورہ کا باہمی ربط، سورہ کا سورہ

سے نظم اور ایک گروپ کا دوسرے گروپ سے نظم شروع سے آخر تک ملے گا۔

۳۔ **قرآن کا اسلوب بیان** : قرآن کے اسلوب بیان کو سمجھنے کے لئے بنیادی چیز وہی ہے جس کا ذکر اوپر قرآن کی زبان کے تعلق سے ہوا۔ البتہ تاویل آیات میں نظم کی رعایت کے پہلو سے اس کے اسلوب خطاب کو متعین نہ کر پانے کی وجہ سے بڑی دقت پیش آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں لوگ بہت الجھن کا شکار ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم بات جو بطور خاص قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید بڑی حد تک خطبائے عرب کے کلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس طرح ایک خطیب محض اپنے رخ کو تبدیلی یا گردش چشم و آبرو سے بلکہ بسا اوقات فقط لب و لہجہ کے تغیر اور معمولی التفات ہی سے اپنے مخاطب اثنائے کلام بدلتا رہتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں بھی خطاب کی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی خطاب مسلمانوں سے تھا ابھی مشرکین سے ہو گیا۔ ابھی ذکر اہل کتاب کا چل رہا تھا کہ دفعۃً ذکر مسلمانوں کا آگیا۔ ابھی خطاب واحد کے صیغہ سے ہو رہا تھا کہ اچانک جمع کا صیغہ آگیا۔ اسی طرح مصدر خطاب بھی بدلتا رہتا ہے ابھی خطاب براہ راست اللہ تعالی کی طرف سے تھا کہ دفعۃً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہو گیا۔ ابھی ایک بات رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہلوائی جا رہی تھی کہ دفعۃً جبرئیل امین کی زبان سے کہلوائی جانے لگی۔ یہ کوئی اجنبی اور نامانوس اسلوب نہیں ہے بلکہ اسے ہر وہ شخص اچھی طرح سمجھتا ہے جو اسلوب خطاب سے واقف ہے۔

تفسیر تدبر قرآن کے مطالعہ سے یہ الجھن رفع ہو جاتی ہے اور ہر خطاب کا رخ اس طرح متعین ہو جاتا ہے جیسے آپ خود کسی مجمع میں شریک ہو کر ایک خطیب سے اس کا خطاب سن رہے ہوں۔

قرآن مجید میں اسلوب کی اس طرح کی تبدیلیاں جہاں جہاں ہوئی ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں ان کی حکمتوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان تمام مقامات کا استقصاء اس مختصر سے مقالہ میں نہ ممکن ہے اور نہ ضروری۔ اس لئے فقط دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ایک مثال تو اس اسلوب کی ہے کہ

پہلے خطاب بصیغۂ واحد ہوا اور معاً بعد خطاب کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔ اور دوسری مثال اس اسلوب کی ہے کہ ایک بات غائب کے صیغہ سے شروع ہوئی اور آگے نکل کر متکلم کے صیغہ میں آگئی۔

پہلی مثال : سورہ بقرہ کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے

قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره۔ (البقرہ : ۱۴۴)	ہم آسمان کی طرف تمہارے رخ کی گردش دیکھتے رہے ہیں سو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں جسکو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو اور جہاں کہیں بھی تم ہو تو اپنے رخ اسی کی طرف کرو۔

اس اسلوب میں خطاب کی جو تبدیلی ہوئی ہے اس کی حکمت وبلاغت پر مولانا اصلاحی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یہاں خطاب کی اس تبدیلی پر بھی نگاہ رکھنی چاہئے جو اس آیت میں نہایت نمایاں طور پر نظر آتی ہے ۔ پہلے تو خطاب واحد کے صیغہ سے ہے "فول وجهك" پھر جمع کی صورت میں فرمایا "فولوا وجوهكم" اس تبدیلی کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پہلا خطاب آنخضرت ﷺ سے بحیثیت امت کے وکیل کے ہے۔ اس دوسرے خطاب نے پہلے خطاب کے اس مضمر پہلو کو واضح کردیا کہ اگرچہ وہ خطاب بظاہر ہے تو واحد کے صیغہ سے لیکن صرف آنخضرت ﷺ ہی سے نہیں ہے بلکہ اس میں پوری امت شامل ہے۔ علاوہ ازیں پہلے خطاب کے واحد کے صیغہ سے ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو تحویل قبلہ کے لئے جیسا کہ اوپر اشارہ ہے نہایت اضطراب تھا۔ یہ چیز مقتضی ہوئی کہ پہلے خاص طور سے آپ کو مخاطب کر کے اس تبدیلی کی بشارت دے دی جائے۔"(٦)

دوسری مثال: سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت ہے

آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل آمن بالله وملائکته وکتبه ورسله لانفرق بین احد من رسله (البقرہ: ۲۸۵)	رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے رب کی جانب سے اتاری گئی اور مومنین ایمان لائے۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ان کا اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

یہاں اسلوب کی جو تبدیلیاں ہوئی ہیں اس کی بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:

"اس میں یکایک اسلوب کی جو تبدیلی ہوئی ہے یعنی بات غائب کے صیغہ سے نکل کر جو متکلم کے صیغہ میں آگئی ہے۔ یہ دھیان میں رکھنے کی ہے۔ اوپر کے ٹکڑے میں بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی گئی ہے لیکن یہ جملہ براہ راست امت کی طرف سے اعتراف واظہار کی شکل میں نمایاں ہوا ہے۔ اس میں بلاغت کا یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اوپر کے ٹکڑے میں مسلمانوں کا جو ایمان وعقیدہ بیان ہوا ہے پوری امت اس کا اقرار واظہار کرتی ہے کہ ہم اللہ کے رسول کے باب میں کسی تعصب میں گرفتار نہیں ہیں۔ یہ تمام انبیاء ایک ہی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں اس وجہ سے ہم یہود ونصاریٰ کی طرح یہ نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو رد کردیں۔(۷)

۴۔ **قرآن کے نظائر وشواہد:** قرآنی نظائر شواہد بھی دو طرح کے ہیں ایک لفظی اور دوسرے معنوی، لفظی کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کسی لفظ یا محاورہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس لفظ یا محاورہ کا استعمال دیکھا جائے۔ اس سے قرآنی اصطلاحات، الفاظ، محاورات اور ان کے

حدود ولوازم کا پتہ چلتا ہے۔ فہم قرآن میں جتنی مدد اس سے ملے گی کسی خارجی وسیلہ سے نہیں مل سکتی۔ جہاں تک معنوی نظائر کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن ہی کی طرف رجوع کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سلسلہ میں قرآن نے دوسرے مقامات پر کیا تفصیلات بیان کی ہیں ؟اور ان کا پس منظر کیا ہے ؟

لفظی نظائر کی مثال :

اعلموا انما الحیوة الدنیا لعب ولهو وزینة وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباته ۔(الحدید :۲۰)

جان لو کہ دنیا کی زندگی ، لہو ولعب، زیب وزینت اور مال واولاد کے معاملے میں باہمی تفاخر وتکاثر کی تمثیل اس بارش کی ہے جس کی اپجائی ہوئی فصل کافروں کے دل کو موہ لے۔

اس آیت کی تفسیر میں لفظ ''الکفار'' سے بحث کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

''آیت میں لفظ "الکفار" بھی قابل غور ہے۔ اس کے معنی مفسرین نے عام طور پر "زراع" یعنی کسانوں کے لئے ہیں لیکن دل اس پر جمتا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں معروف نہیں ہے ، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جس مادے سے ہے اس کے اندر یہ معنی بھی لینے کی گنجائش ہے ،لیکن محض اتنی بات ایک ایسے لفظ کو جو ایک اصطلاح کی حیثیت سے ایک خاص مفہوم میں قرآن میں کثرت سے استعمال ہوا ہے ، ایک ایسے شاذ معنی میں لینے کے لئے کافی نہیں ہے جس معنی میں اس کی کوئی اور مثال قرآن میں نہیں ہے ۔ سورہ فتح کی آیت "فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (۲۹)(یعنی وہ کھیتی اپنے تنوں پر کھڑی ہوگئی کسانوں کے دلوں کو لبھاتی ہوئی کہ ان سے کافروں کے دل آزردہ ہوں۔) میں دونوں لفظ

اپنے اپنے خاص معنوں میں استعمال ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اپنے معانی میں معروف و معین ہیں۔ اس وجہ سے میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہاں "کفار" اپنے اصل مفہوم ہی میں ہے۔ چونکہ اس تمثیل میں پیش نظر منکرین آخرت ہی کے رویہ کو نمایاں کرنا ہے اس وجہ سے فرمایا کہ اس دنیا کی عارضی رونقیں منکرین آخرت کے دلوں کو لبھالیتی ہیں۔ وہ انہیں کے اندر پھنس کے رہ جاتے ہیں اور بالآخر اس عذاب سے دوچار ہوتے ہیں جو اس قسم کے محروم القسمت لوگوں کے لئے مقدر ہے۔ (۸)

معنوی نظائر کی مثال :

انا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین فیها یفرق کل امر حکیم۔ امراً من عندنا انا کنا مرسلین رحمة من ربك انه هو السمیع العلیم (الدخان : ۳۔۵)

بیشک اس کو ہم نے ایک مبارک رات میں اتارا ہے، بیشک ہم لوگوں کو آگاہ کردینے والے تھے، اس رات میں تمام پرحکمت امور کی تقسیم ہوتی ہے خاص ہمارے امر سے، بیشک ہم رسول بھیجنے والے تھے، خاص تیرے رب کی رحمت سے بیشک وہ سننے جاننے والا ہے۔

ان آیات کی معنوی نظیر سورہ "قدر" ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

انا انزلناه فی لیلة القدر وماادراك مالیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر ،تنزل الملائکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلام هی حتی مطلع الفجر

بیشک ہم نے اس کو اتارا لیلۃ القدر میں اور تم کیا سمجھے کہ لیلۃ القدر کیا ہے ؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے اس میں ملائکہ اور جبرئیل اترتے ہیں ہر بات میں اپنے رب کے اذن سے وہ سلامتی ہی سلامتی ہے۔ وہ طلوع فجر تک ہے۔

جو مضمون سورہ دخان کی مذکورہ آیات میں بیان ہوا ہے، بالکل وہی مضمون سورہ قدر میں بھی بیان ہوا ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں ان دونوں کے درمیان معنوی ربط ویکسانیت کی وضاحت بڑی تفصیل سے کی ہے۔ تفصیل کے طالب تدبر قرآن میں متعلق آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر تدبر قرآن میں قرآنی نظائر و شواہد اتنی کثرت سے پیش کئے گئے ہیں کہ ہر اس لفظ یا حکم کی تحقیق آسان ہو گئی ہے جس کا ذکر ایک سے زیادہ مقامات پر آیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ تفسیر دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں ممتاز اور منفرد حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔

خارجی وسائل : تفسیر تدبر قرآن میں خارجی وسائل کی حیثیت سے احادیث صحیحہ، کتب سماوی، اور تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ا۔ **احادیث صحیحہ** : تفسیر قرآن کے تعلق سے پورے مکتب فراہی بالخصوص مولانا امین احسن اصلاحی پر یہ الزام رہا ہے کہ وہ احادیث کو تفسیر کے ضمن میں در خور اعتنا نہیں سمجھتے اور دوران تفسیر انہیں یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن تفسیر تدبر قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کرنے والے اس اعتراض سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ تدبر قرآن میں بے شمار ایسے مواقع ہیں جہاں مولانا اصلاحی نے احادیث سے استدلال کیا ہے، کہیں تو ایسا بھی ہوا ہے کہ سیدھے سیدھے حدیث نقل کی ہے اور کہیں فقط حدیثوں سے اس کی تائید کا حوالہ دیکر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ذیل میں دونوں طرح کی استدلال کی ایک ایک مثال تدبر قرآن سے نقل کی جارہی ہے۔

نقل حدیث کی مثال : سورہ نساء کی آیت ۱۳۵ ہے۔

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیراً فالله اولی بھما	اے ایمان والو، حق پر جمے رہو اللہ کے لئے اس کی شہادت دیتے ہوئے اگرچہ یہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات تمہارے والدین اور تمہارے قرابت

فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراً۔

مندوں کے خلاف ہی پڑے کوئی امیر ہویا غریب اللہ ہی دونوں کا سب سے زیادہ حق دار ہے توتم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ اوراگر کج روی کروگے یا اعراض کروگے تویاد رکھو کہ اللہ جوکچھ تم کررہے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی شخص امیر یاباا‌ثر ہے تواس وجہ سے وہ خدا کے حق سے بری الذمہ نہیں ہو جاتا کہ وہ خدا کے قانون کی ذمہ داریوں سے بری کردیا جائے اوراس کے ساتھ کسی اور قانون کے تحت معاملہ کیاجائے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنے کے لئے خصور ﷺ کے اس ارشاد کوسامنے رکھئے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں۔

"جب ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی تواس کے معاملہ کی قریش کوبڑی فکر ہوئی۔ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کردیا کہ کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول ﷺ سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس کی جرأت صرف اسامہ بن زید کرسکتے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے کہنے پر اسامہؓ نے حضور ﷺ سے اس کی سفارش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسامہ! تم اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے ایک حد کے معاملہ میں سفارش کرنے آئے ہو؟ پھر آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ لوگو! تم سے پہلے قوموں کو اسی چیز نے تباہ کیا کہ ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تواس کو چھوڑدیتے اور اگر کوئی معمولی آدمی چوری

کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرنے کا، میں تو اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (متفق علیہ)(۹)

حوالہ حدیث کی مثال : سورۃ القمر کی تفسیر کے ذیل میں نبی کریم ﷺ کے معجزہ شق القمر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں۔

> "رہا یہ سوال کہ اس طرح کا کوئی واقعہ نبی ﷺ کے عہد میں پیش آیا بھی ہے تو اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ سے یہی بات نکلتی ہے کہ یہ پیش آیا اور حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ صورت واقعہ کے بارے میں تو حدیثیں ضرور مختلف ہیں لیکن نفس واقعہ کے بارے میں کوئی اختلاف منقول نہیں"(۱۰)

دراصل احادیث کی باب میں مولانا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جہاں تک سنت متواترہ کا تعلق ہے تو ان سے صرف نظر کرنا یا ان کے باب میں بے اعتنائی کا مظاہرہ کرنا ایمان کے منافی ہے چنانچہ قرآن مجید کی اصطلاحات مثلاً، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسک حج وغیرہ کی تفسیر "تدبر قرآن" میں آپ کو وہی ملے گی جو سنت متواترہ سے ثابت ہے۔ اس میں مولانا اصلاحی نے سلف کے طریقے سے سر مو بھی انحراف نہیں کیا ہے۔ البتہ عام ذخیرہ احادیث و آثار کے سلسلہ میں جن کی حیثیت اخبار آحاد کی ہے، ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو جائے تو وہ تفسیر کا سب سے پاکیزہ اور اشرف ذریعہ ہیں لیکن اگر ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان نہ ہو سکے جو مطلوب ہے تو ان سے اسی حد تک استفادہ کیا جائے گا جس حد تک قرآن اور دین کے مسلمات سے ان کا تطابق ہے۔ چنانچہ ان کا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے کسی حکم یا دین کے کسی مسلمہ سے متصادم ہے تو وہ صحیح حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ رسول ﷺ قرآن کے معلم اور مبین تھے اور اس منصب پر آپ ﷺ منجانب اللہ مامور ہوئے تھے چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ قرآن کے کسی حکم اور آپ ﷺ کے بیان میں تعارض ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرح کی کوئی حدیث

از روئے روایت صحیح ہو لیکن درایت کے پہلو سے ایسی حدیث کا کوئی وزن نہیں ہو گا۔ گویا مولانا کے نزدیک کسی حدیث کی صحت کے لئے اس کی سند سے زیادہ اس کے مضمون اور مواد کو اہمیت حاصل ہے۔

غور کیجئے۔ کہ ایسے محتاط عالم دین پر انکار حدیث کا الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا اصلاحی کا انکار حدیث تو کجا وہ تو منکر حدیث کو منکر قرآن بھی قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں۔

"منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے اس کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم و تغیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے اس لئے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔ اصطلاحات کے معاملہ میں تنہا لغت پر اعتماد بھی بالکل غلط چیز ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا لغت میں جو مفہوم بھی ہو لیکن دین میں وہی مفہوم معتبر ہو گا جو شارع علیہ السلام نے واضح فرمایا۔ (۱۱)

۲۔ **کتب سماوی :** قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں تورات، زبور اور انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سارے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتیں ہیں۔ بعض جگہوں پر یہود و نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع پر تفسیر کی کتابوں میں منقول روایات پر اعتماد کرنے کے بجائے مولانا اصلاحی نے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا ہے اس لئے کہ اس طرح کی روایات عموماً سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں جو کچھ رطب و یابس ملا تفسیر تدبر قرآن میں من و عن نقل کر دیا گیا ہے بلکہ

ان صحیفوں کے بیانات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے چنانچہ جو کچھ قرآن کے موافق ملا اسے لے لیا اور جو اس سے متصادم نظر آیا اسے نہ صرف یہ کہ چھوڑ دیا ہے بلکہ اس پر نقد بھی کیا ہے۔

قرآن کے بیان کے موافق قدیم آسمانی صحیفہ سے استدلال کی مثال :

سورہ بقرہ کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے

ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الآخرۃ من خلاق (بقرہ : ۱۰۲)

حالانکہ ان کو پتہ تھا کہ جس نے اس چیز کو اختیار کیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں :

"یعنی یہود کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جو لوگ اس طرح کے فتنوں میں پڑیں گے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا تورات میں نہایت واضح الفاظ میں انہیں ان چیزوں سے روک دیا گیا تھا۔ (استثناء باب ۱۸ آیات ۹ تا ۱۲ ملاحظہ ہوں)

جب تو اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھ کو دیتا ہے پہنچ جائے تو وہاں کی قوموں کی طرح مکروہ کام کرنا نہ سیکھنا۔ تجھ میں ہر گز کوئی ایسا نہ ہو جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں جلوائے۔ یا فال گیر یا شگون نکالنے والا یا افسوں گر یا جادوگر یا منتری، یا جنات کا آشنا یا رمال یا ساحر ہو کیونکہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں خدا کے نزدیک مکروہ ہیں اور انہیں مکروہات کے سبب سے خداوند تیرا خدا تیرے سامنے سے ان کو نکالنے پر ہے۔" (۱۲)

قرآن سے متصادم سابق آسمانی صحیفہ کے بیان پر تنقید کی مثال :

سورہ بقرہ کی ایک دوسری آیت ہے

واذ واعدنا موسی اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم

اور یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا پھر تم نے

ظالمون (بقرہ :۵۱) اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظلم کرنے والے ہو۔

اس آیت کے ٹکڑے "ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظالمون " پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :

"کتاب خروج باب ۳۲ میں اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں لیکن یہود نے اپنی عادت کے مطابق اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ملوث کر دیا جس کی قرآن نے دوسرے مقام پر تردید فرمائی ہے۔

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسی نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسی کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا......تب خداوند نے موسی کو کہا نیچے جا کیوں کہ تیرے لوگ جن کو تو ملک مصر سے نکال کر لایا بگڑ گئے ہیں وہ اس راہ سے جس کا میں نے حکم دیا تھا بہت جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کیلئے قربانی چڑھا کر یہ بھی کہا کہ اے اسرائیل یہ تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا اور خداوند نے موسی سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے اس لئے تو مجھے چھوڑ دے کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں ان کو بھسم کر دوں۔ (باب ۳۲ آیات ا تا ۷)(۱۳)

۳۔ **تاریخ عرب** : قرآن مجید میں بہت سارے اشارے ایسے ملتے ہیں کہ اگر عربوں کی تاریخ اور ان کے جغرافیہ سے واقفیت نہ ہو تو آیات کی تاویل میں بڑی دشواری پیش آئے گی بلکہ بسااوقات آیات کی ایسی تاویل سامنے آجائے گی جس کا منشائے کلام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ گو کہ قبل از اسلام عرب کی کوئی مستند تاریخ نہیں تاہم شعراء اور خطباء کے کلام میں اس کے خاصے اشارے موجود ہیں۔ اس لئے ان کا

تتبع لازم ہے۔

تدبر قرآن میں کسی بھی اس طرح کے تاریخی واقعہ یا مقام کی کوئی ایسی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے جس کے اشارے کلام عرب میں نہ ہوں۔ قبل از اسلام کی تاریخ عرب کے باب میں کلام عرب پر اعتماد نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ جب کہ خود عرب اپنی تاریخ کے سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ التین میں "تین" اور "زیتون" کو لے لیجئے۔ جن مفسرین نے اپنی تفسیر میں تاریخ عرب کو اہمیت نہیں دی ہے انھوں نے "تین" اور "زیتون" سے ان کے درخت اور پھل مراد لیکر ان کے خواص پر بحث کر ڈالی ہے۔ لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان پھلوں کے خواص سے جن کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، مقسم علیہ کا کیا تعلق؟ اگر ان پھلوں کے خواص گنانے کے بجائے ان کی تاریخی حیثیت کو مد نظر رکھا گیا ہوتا تو تاویل ایسی سامنے آتی جس کا مقسم علیہ سے کوئی تعلق بھی ہو۔ جیسا کہ مولانا احسن اصلاحی نے اپنے استاذ علامہ حمید الدین فراہی کی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

"قرآن میں اشیاء اور مقامات کی جو قسمیں آئی ہیں وہ تمامتر اس دعوی پر دلیل کی حیثیت سے آئی ہیں جو قسم کے بعد مذکور ہوا ہے۔ یہاں "تین" سے مشہور پھل انجیر مراد نہیں ہے جیسا کہ ہمارے مفسرین نے سمجھا ہے بلکہ جبل متین ہے جو انجیر کی پیداوار کے لئے مشہور رہا ہے۔ مولانا فراہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سورہ تین میں اس کی جو تحقیق بیان فرمائی ہے اس کا کچھ ضروری حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔، مولانا فراہی فرماتے ہیں۔

"تین ایک خاص پہاڑ کا نام ہے عربی میں انجیر کو تین کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں انجیر کی پیداوار بکثرت تھی اس وجہ سے یہ تین ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اہل عرب اسی نام سے اس کو جانتے تھے نام رکھنے کا یہ طریقہ عربوں میں معروف رہا ہے جس چیز کی پیداوار جہاں زیادہ ہوتی بسا اوقات اسی کے نام سے اس مقام کو موسوم کر دیتے۔ غضی، شجرہ، نخلۃ، وغیرہ مقاموں کے نام

اسی طرح پڑے......

مشہور شاعر نابغہ ذبیانی نے اپنے شعروں میں "تین" کاذکر ایک مقام کی حیثیت سے کیا ہے۔

صهب الظلال اتين التين عن عرض　　　يزجين غيما قليلا مادہ شيما

اس میں اس نے تین سے شمال کے ایک پہاڑ کو مراد لیا ہے۔بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حلوان اور ہمدان کے درمیان ہے"

آگے مولانا (فراہی) اسکے بارے میں بعض قیاسات کی تردید کرتے ہوئے اپنی قطعی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تین سے مراد یا تو کوہ جودی ہے یا اس کے قریب کا کوئی دوسرا پہاڑ۔ تورات میں ہے کہ طوفان نوح کے بعد نبی آدم یہیں سے ادھر ادھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ جودی کے پاس پیش آیا۔"

زیتون سے بھی زیتون کا درخت یا اس کا پھل مراد نہیں ہے جیسا کہ ہمارے مفسرین نے گمان کیا ہے بلکہ جبل زیتون ہے جو حضرت مسیحؑ کی دعوت اور عبادت کے مرکز کی حیثیت سے معروف ہے"(۱۴)

تیسری خصوصیت :

اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عصمت رسولؐ اور ناموس صحابہؓ کا مومنانہ دفاع کیا گیا ہے۔ عہد رسالتمآب ﷺ کے ان دو ایک افراد کو چھوڑ کر جنکا کل تذکرہ تاریخ و سوانح کی کتابوں اور روایات و آثار کے ذخیروں میں بس اسی قدر ہے جس سے انکے کسی جرم یا خطا کا پتہ چلتا ہے۔باقی انکے اور شعبہ ہائے حیات کے سلسلہ میں کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملتا، تمام صحابہ اور صحابیات نیز ذاتِ رسالتمآب ﷺ کا جتنا دفاع تدبر قرآن میں ملتا ہے میری معلومات کی حد تک تفسیر کی کسی اور کتاب میں نہیں ہے اور یہ دفاع بھی محض عقید تمندانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ ہے اس لئے کہ

اس باب میں مولانا اصلاحی نے ضعیف روایات پر اعتماد کرنے کے بجائے تاریخ کی شہادت، صحابہ کے ذوق و مزاج اور الفاظ کے حدود و لوازم کو بنیاد بنایا ہے اور یہی انصاف کا تقاضا بھی ہے۔

اس دعوی کی یہاں فقط دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں مزید معلومات کے لئے تدبر قرآن سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں مثالوں میں سے ایک دفاع رسولؐ کی ہے اور دوسری دفاع صحابہؓ کی۔

دفاع رسولؐ کی مثال: صورہ عبس آیات ا۔۲ عبس و تولی ان جاءہ الاعمی میں نبی کریم ﷺ کو جو تنبیہ کی گئی ہے وہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے حضور کی اس مجلس میں آجانے پر آپ ﷺ کے اظہار ناگواری کی وجہ سے کی گئی ہے۔ جس میں آپ قریش کے اعیان کو اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"اس ناگواری کی وجہ العیاذ باللہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ وہ نادار اور نابینا تھے، ناداروں اور نابیناؤں کی قدر نبی ﷺ سے زیادہ کون کر سکتا ہے؟ البتہ حضور ﷺ کو یہ اندیشہ ہوا ہوگا کہ ان وحشیوں کو ذرا مانوس کرنے کا جو موقع میسر آیا ہے عبداللہ ابن ام مکتوم کے آجانے سے وہ ضائع ہو جائے گا۔
علاوہ ازیں آپ کے لئے یہ خیال بھی باعث تردد ہوا ہوگا کہ ممکن ہے یہ اپنی بڑائی کے نشہ میں آپ کے ایک محبوب صحابی کی کوئی توہین یا دل آزاری کر بیٹھیں جس سے مزید بد مزگی پیدا ہو۔" (۱۵)

دفاع صحابہ کی مثال: سورہ احزاب میں اللہ تعالی نے فرمایا۔

ایها النبی قل لأزواجك ان كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحا جميلا وان كنتن تردن الله و رسوله والدار	اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ میں تمھیں دے دلا کر خوبصورتی کیساتھ رخصت کردوں

يالآخرة فان الله اعد للمحسنت منكن اجراً عظيماً (احزاب: ۲۸۔۲۹)

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم میں سے خوبی کے ساتھ نباہ کرنے والیوں کے لئے ایک اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں :

"ہمارے مفسرین نے ان آیات کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو فی الجملہ معاشی کشادگی حاصل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کی ازدواج نے بھی آپ سے مطالبہ کیا کہ ان کو بھی زندگی کی راحتوں اور زینتوں سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ پر بطور عتاب یہ آیات نازل ہوئیں۔ ہمارے نزدیک کئی پہلوؤں سے یہ بات نہایت کمزور ہے۔

اول تو قرینہ دلیل ہے کہ یہاں جن حالات پر تبصرہ ہو رہا ہے وہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال سے تعلق رکھنے والے ہیں اور غزوہ خندق اور بنو قریظہ کے حالات زیر بحث آئے ہیں۔ آگے حضرت زیدؓ اور حضرت زینب کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق ۵ ھج سے ہے خیبر ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اوپر آیت ۲۷ کے الفاظ وارضالم تطئوھا کے تحت خود مفسرین ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ فتح خیبر کی پیشگی بشارت ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ مطالبہ اگر مجرد نان نفقہ میں فی الجملہ توسیع کے لئے تھا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس پر ان کو یہ نوٹس دے دیا جائے کہ ان کو دے دلا کر ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا جائے۔ اس طرح کی بات پر اول تو وہ کسی تنبیہ کی سزاوار ہی نہیں تھیں اور اگر تھیں بھی تو زیادہ سے زیادہ اس نصیحت کی مستحق تھیں کہ نبی کی معیت مطلوب ہے تو انہیں صبر و قناعت کی زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔

تیسرا یہ کہ امہات المومنینؓ کے متعلق یہ سوء ظن نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر دنیا کی راحتوں اور زینتوں کا شوق کسی دور میں بھی اتنا غالب آگیا ہو کہ وہ اس کا مطالبہ لیکر اٹھ کھڑی ہوئی ہوں اور یہ معاملہ اتنا سنگین ہو گیا ہو کہ خود اللہ تعالی کو اس میں مداخلت کرنی پڑی ہو اور نوبت اس نوٹس تک پہنچ گئی ہو جو ان آیات میں ان کو دیا گیا۔"(١٦)

اس کے بعد مولانا اصلاحی صاحب نے ان آیات کا پس منظر بیان کیا ہے جس میں یہ دکھایا ہے کہ منافقین اپنی بیگمات کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کی خانگی زندگی کے سکون کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے اور یہ منافقات اپنی ٹھاٹ باٹ کی زندگی کا حوالہ دیکر ازواج مطہرات کو بھکانے کی کوشش کرتیں۔ ان آیات میں اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے بالواسطہ انہیں منافقین اور منافقات کو ڈانٹ پلائی ہے۔ یہ تو فقط دو مثالیں ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پورے تدبر قرآن میں جہاں کہیں بھی کسی مفسر کی تاویل کے نتیجہ میں عصمت رسولؐ یا عظمت صحابہؓ مجروح ہوئی ہے مولانا اصلاحی نے سینہ سپر ہو کر اسکا بھرپور دفاع کیا ہے۔

چوتھی خصوصیت :

اس تفسیر کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مضامین کا شاندار تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جس سے قرآن کے ہر مضمون کو الگ الگ بھی سمجھنے میں سہولت پیدا ہو گئی ہے اور بحیثیت مجموعی پورے قرآن کریم کے موضوع اور مدعا کو معلوم کر لینا بھی آسان ہو گیا۔ جہاں یہ تفسیر ایک طالب علم کو تحقیق کے ساتھ قرآن مجید کے مطالعہ کا سلیقہ سکھاتی ہے وہیں سرسری طور سے بھی قرآن مجید کو پڑھنے والے کے لئے رہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

تفسیر تدبر قرآن میں سب سے پہلے قرآن کے مرکزی موضوع کی نشاندہی کی گئی ہے اور پھر پورے قرآن کو سات گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر گروپ کے عمود پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے اور ہر گروپ کی مکی اور مدنی سورتوں کے رشتہ زوج زوج کی

دلنشیں توجیہہ کی گئی ہے۔ اسی طرح ہر گروپ کی تمام سورتوں کے الگ الگ عمود کی توضیح کردی گئی ہے۔ پھر ہر سورہ کے تمام اجزاء کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ سورہ کا عمود اور ما قبل و مابعد کی سورتوں سے ربط
۲۔ اجزائے کلام کا جامع تجزیہ
۳۔ ہر جزو کا خلاصہ
۴۔ پھر اس جزو کی آیات
۵۔ آیات کے بعد ان کا ترجمہ
۶۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی توضیح و تفسیر (اس میں بھی پہلے آیت کا مفہوم اور مدعا بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کا لغوی، اصطلاحی، بلاغی، ادبی، نحوی و صرفی ہر پہلو سے تجزیہ کیا گیا ہے۔)
۷۔ بوقت ضرورت حاصل کلام کا ذکر اور استنباط مسائل کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اس طرح کلام الٰہی ایک قاری کے سامنے پوری طرح مشکل اور مصور ہو کر آجاتا ہے۔

پانچویں خصوصیت :

تدبر قرآن کی پانچویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کی عربی مجلی کا اردوئے معلیٰ میں ترجمہ و تفسیر ہے لیکن تدبر قرآن میں فقط ادب کی چاشنی ہی نہیں بلکہ خطابت کا زرد بھی ہے اس میں اگر ایک طرف فصاحت کا سیل رواں ہے تو دوسری طرف بلاغت کی تاثیر بیکراں بھی ہے۔ اس میں جہاں گلشن ادب سے خوشہ چینی نظر آتی ہے وہیں سرمایہ ادب میں کچھ نئے الفاظ و محاورات، استعارات اور تشبیہات کا اضافہ بھی دکھائی پڑتا ہے۔

تفسیر تدبر قرآن کی یہ خصوصیت تو ایسی ہے جس کی دلیل میں تدبر قرآن کا ہر صفحہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

چھٹی خصوصیت :

تدبر قرآن کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں از اول تا آخر جرأت اظہار پوری طرح نمایاں ہے۔

مولانا اصلاحی نے جس رائے کو بھی درست نہیں سمجھا اس پر کھل کر تنقید کی ہے اور جو بات بھی وہ صحیح سمجھتے ہیں ببانگ دہل کہہ دیتے ہیں۔ اس میں وہ کسی مصلحت کوشی کا شکار نہیں ہوتے۔ مثال کے طور "تیسری خصوصیت کے ضمن میں" دفاع صحابہ کی مثال کے عنوان سے مولانا کا جو تبصرہ گذشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے اسے ملاحظہ فرمالیں۔ طوالت کے اندیشہ سے اس کی الگ سے دلیل فراہم نہیں کی جارہی ہے۔

لیکن مولانا کے اس انداز کو بعض اہل علم ان کی تعلی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تعلی کے بجائے جرأت اظہار اور خود اعتمادی کے نام سے موسوم کیا جائے، ورنہ کوئی محقق، مجدد اور امام فن اس الزام سے بری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک انداز اور اسلوب کا تعلق ہے تو اس کا انحصار بڑی حد تک مزاج اور طبیعت کے غلبہ جمال یا جلال پر ہے اور یہ چیز کسبی کم وہبی زیادہ ہے۔ اس لئے یہ لائق عفو زیادہ اور قابل گرفت کم ہے۔

الغرض تفسیر تدبر قرآن اپنی خصوصیات وامتیازات کے لحاظ سے اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کا باقاعدہ بالتفصیل مع دلائل تعارف کرایا جائے اور پوری علمی دنیا کو اس سے روشناس کرایا جائے، یہ تفسیر کسی ایک حلقہ کی میراث نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک عظیم سرمایہ ہے جس سے ہر فرد وبشر کو مستفید ہونا چاہئے۔

هذا ماعندی والله هو الموفق

مراجع وحواشی

(۱) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبع تاج کمپنی، دہلی، جلد اول، ص ۱۴۷
(۲) تدبر قرآن، جلد ۳، ص ۴۸
(۳) تدبر قرآن، جلد ۳، ص ۵۰_۵۱
(۴) تدبر قرآن، جلد ۶، ص ۵۹۸_۵۹۹
(۵) تدبر قرآن، جلد ۹، ص ۳۱۵_۳۱۶
(۶) تدبر قرآن، جلد ۱، ص ۳۶۹_۳۷۰ و
(۷) تدبر قرآن، جلد ۱، ص ۶۴۹
(۸) تدبر قرآن، جلد ۸، ص ۲۲۱
(۹) تدبر قرآن، جلد ۲، ص ۴۰۷
(۱۰) تدبر قرآن، جلد ۸، ص ۹۱
(۱۱) تدبر قرآن، جلد ۱، ص ۲۹
(۱۲) تدبر قرآن، جلد ۱، ص ۲۸۸
(۱۳) تدبر قرآن، جلد ۱، ص ۲۱۲
(۱۴) تدبر قرآن، جلد ۹، ص ۴۳۶_۴۳۷
(۱۵) تدبر قرآن، جلد ۹، ص ۱۹۶
(۱۶) تدبر قرآن، جلد ۶، ص ۲۱۵_۲۱۶

تدبر قران-ایک منفرد تفسیر

الطاف احمد اعظمی

مولانا امین احسن اصلاحی کی یہ تفسیر عربی اور اردو کے ذخیرۂ تفاسیر میں متعدد اعتبار سے ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔اس سے پہلے اس طرز و نہج پر اردو کیا عربی کے میں بھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔اس طرز خاص کے موجد مولانا حمید الدین فراہی تھے اور انہی کے طرز پر یہ تفسیر یعنی تدبر قرآن لکھی گئی ہے۔

اسلامی علوم و فنون میں یہ امتیاز صرف علم فقہ کو حاصل ہے کہ اس کی تدوین میں انفرادی کوشش کے ساتھ اجتماعی کوشش بھی ہوئی۔ چنانچہ عہد عباسی میں امام ابو حنیفہؒ نے جو فقہ مرتب کی وہ اسی طرز پر تھی۔ ہندوستان میں اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں دوبارہ اسی نہج پر کام ہوا اور فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب ''فتاوی عالم گیری'' مرتب ہوئی۔ تفسیر قران کے سلسلے میں جو کام ہوا وہ دوسرے علوم کی طرح انفرادی نوعیت کا تھا، اور آج تک انفرادی طریقہ تفسیر ہی کا رواج ہے۔

انفرادی طریقہ تفسیر نے قران اور اسلام دونوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ قرآن مجید ایک بے مثل و بے نظیر کتاب ہے اور اس کے عجائب کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔وہ علوم و معارف کا ایک بحر بے کراں ہے اس لئے کسی ایک شخص کے لئے خواہ وہ علم و خبر کے کتنے ہی اعلیٰ وارفع مقام پر کھڑا ہو، یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآنی حقائق و معارف کا احاطہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مفسر کی تفسیر میں قرآن مجید کے علوم و معارف کا بہت تھوڑا حصہ ہی شرمندۂ تحریر ہوا ہے اور اس بحر علم سے چند ہی موتی اب تک نکالے جا سکے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی اور کتنے گہر ہائے آبدار اس بحر کی تہ